

# اسلامی تہذیب اور اسکے اصول و اساس

## (۵) زندگی کا نصب العین

گزشتہ صحبت میں جو کچھ عرض کیا گیا، اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اسلام نے ہر قسم کی دنیوی اور اخروی اغراض کو چھوڑ کر ایک چیز کو زندگی کا نصب العین اور انسان کی تمام کوششوں کا مقصود، اور تمام ارادوں اور نیتوں کی غایت الغایات قرار دیا ہے، اور وہ چیز اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کا حصول ہے۔

آئیے اب ہم دیکھیں کہ اس نصب العین میں وہ کونسی خصوصیات ہیں جو اس کو ایک بہترین نصب العین بناتی ہیں۔

طبعی اور عقلی نصب العین کی ہم آہنگی

سلطنت کا فرمانروا ایک خدا ہے، اور تمام موجودات عالم اسی کے مطیع، اسی کے تابع فرمان، اور اسی کے آگے سربجود ہیں۔ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ خٰٓئِتُوْنَ۔ (۳: ۳) کارگاہ ہستی کی تمام حرکات و سکنات اسی کے حکم اور اسی کی مرضی کے ماتحت ہیں۔ اِنَّ الْحٰکِمَ اِلٰہَ اللّٰہِ (۶: ۷) جتنی چیزیں اس عالم اور دوسرے تمام عوالم میں ہیں ان سب کا مبع اسی کی ذات ہے۔ وَاِلٰی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْر (۲: ۲۵) اسی چیز کا نام اسلام ہے جس کے معنی ہیں

گردن جھکا دینے اور تابع فرمان ہو جانے کے تمام کائنات اور اس کا ہر ذرہ اپنی فطرت کے لحاظ سے اسی دین اسلام کا پیرو ہے، خواہ بطوع و رغبت، خواہ بقہر و جبر وَلَهُ أَكْثَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا (۹: ۳) اس عالمگیر ناقابل تنقیر اور ناآشنائے استثنائے قانون میں تمام کائنات کی طرح خود انسان بھی جکڑا ہوا ہے، اور اس کی اپنی طبیعت و فطرت بھی اسی خدا کی مطیع و فرمانبردار، اسی کے دین کی پیروی ہے فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا - فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيُّمُ (۲: ۲۱۰)۔

اس نظریہ کے مطابق تمام موجودات عالم کا (جن میں انسان بھی شامل ہے) فطری <sup>نصب العین</sup> اور مقصود و مطلوب اور غایت النایات، حضرت حق جل ثناؤہ کی ذات ہے، اور سب کی طبیعت کا رخ اسی مرکز و مرجع کی طرف پھرا ہوا ہے۔ اب انسان کے لئے ہمیشہ ایک عقلی وجود کے صرف اتنی کسر رہ جاتی ہے کہ وہ اپنے اس طبعی نصب العین کا شعور بھی حاصل کرے، اور عقل و فکر کے ساتھ اس کو سمجھ کر اپنے ارادوں اپنی نیتوں اور اپنی سعی و عمل کا رخ بھی اسی کی طرف پھیر دے اس صورت میں اس کا عقلی نصب العین، اس کے اور تمام موجودات کے طبعی نصب العین کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیگا۔ جہاں سب کے سارے لشکر، اور نظام وجود کے سب کل پرزے اس مقصود تک پہنچنے میں اس کا ساتھ دیں گے، اور وہ اپنے عقلی مرتبہ کے لحاظ سے اس عظیم الشان قافلے کا سالار اور امام ہوگا۔ عکس اس کے اگر اس <sup>نصب العین</sup> کو چھوڑ کر اس نے کسی اور چیز کو اپنا عقلی نصب العین بنایا، تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص ایک قافلے کے ساتھ ہے قافلہ مغرب کی جانب سفر کر رہا ہے، وہ شخص خود جس گھوڑے پر سوار ہے وہ بھی مغرب کی جانب دوڑ رہا ہے۔ لیکن اس بے ہوش مسافر کو خبر نہیں کہ قافلہ کا رخ، اور اس کی اپنی سواری کا رخ کدہر ہے۔ اس کا دل مشرق میں اٹکا ہوا ہے اس نے اپنے گھوڑے کی دم کی طرف اپنا منہ کر رکھا ہے لگام کھینچ کھینچ کر اور ایڑیں لگا لگا کر کوشش کر رہا ہے کہ گھوڑا لٹے پاؤں چلے۔ چند قدم وہ گھوڑے

کو پیچھے کی طرف کھینچ بھی لاتا ہے۔ مگر پھر قافلے کی روش اور خود اپنی طبعی روش سے مجبور ہو کر گھوڑا اسی مغربی سمت میں دوڑنے لگتا ہے۔ غرض اس طرح یہ مسافر کشاں کشاں اپنی نیت اور اپنے ارادے کے خلاف اسی منزل کی طرف جاتے پر مجبور ہوتا ہے مگر ایک کامیاب اور بامراد مسافر کی طرح یہیں تک ایک ناکام و نامراد مسافر کی طرح کیونکہ اس نے جس چیز کو اپنی منزل مقصود قرار دیا ہے اس تک پہنچنا اسے نصیب نہیں ہوتا اور وہ ان فوائد سے بھی محروم نہیں ہوتا جو اس قافلے کو اپنے سفر کے دوران میں حاصل ہوتے ہیں۔

**۲۔ نظام اسلامی کی قوت جاذبہ** | جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے، دین اسلام کے پورے نظام کا مرکز اور مدار خدا کی ذات ہے۔ یہ پورا نظام اسی مرکز کے گرد گردش کر رہا ہے اور اس نظام میں جو کچھ بھی ہے خواہ وہ نیت و اعتقاد کے قبل سے ہو، یا پرستش و عبادت کے قبل سے، یا دنیوی زندگی کے معاملات میں سے، بہر نفع اور بہر کمین اس کا رخ اسی مرکزی ہستی کی جانب پھرا ہوا ہے، اور ہر چیز اس کی قوت جاذبہ کے زبردست تاروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ خود لفظ دین (طاعت) اور لفظ اسلام (گمراہی نہادوں جن سے اس مذہبی نظام کو موسوم کیا گیا ہے، اپنے مسمیٰ کی فطرت و حقیقت پر بہترین دلالت کرتے ہیں، دین اور اسلام کے معنی ہی یہ ہیں کہ بندہ اپنے خدا کی رضا کے آگے سر جھکا دے، اور اسی کی مرضی کا تابع ہو جائے۔

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ  
لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (۴: ۱۸)  
وَمَنْ يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ  
مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ  
الْوُثْقَىٰ (۳: ۱۰۱)

اس سے بہتر دین اور کس کا ہوگا جس نے اللہ کے آگے  
تسلیم خم کر دیا اور جو نیکو کار ہے۔  
جو کوئی اپنا رخ خدا کی طرف پھیر دے اور اس کے  
ساتھ وہ نیکو کار بھی ہو تو اس نے بڑی مضبوط پٹی  
تھام لی۔

اس سے بھی بڑھ کر فطرت اسلام کا اندازہ اس چیز سے ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم اور ان کے صاحبزادے خدا کے آگے تسلیم خم کر دیتے ہیں بیٹا۔ یَا بَتِّ اَفْعَلْ مَا تُؤْمِرُ کہراپنے آپکے چھری کے حوالے کر دیتا ہے اور باپ اپنے تخت جگر کو محض خدا کی خوشنودی کے لئے فزع کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ تو ان دونوں کے اس فعل کو ”اسلام“ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فَلَمَّا اسْلَمَا وَتَلَّہُ لِلْحَبِیْنِ (۳: ۳۷)

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جو کچھ بھی ہے خدا کے لئے ہے۔ نماز اگر خدا کے لئے نہ ہو تو وہ ایک بے معنی اٹھک بیٹھک ہے۔ روزہ اگر خدا کے لئے نہ ہو تو وہ محض ایک فاقہ ہے۔ زکوٰۃ و خیرات اگر خدا کے لئے ہو تو خیرات امانفاق فی سبیل اللہ ہے ورنہ محض اسراف و تبذیر.....

..... جنگ اور جہاد اگر خالصتہً اللہ اور فی سبیل اللہ ہو تو بہترین عبارت ہے ورنہ ایک ناجی کی خوریزی، اور جہاد فی سبیل الطاغوت۔ اسی طرح دوسرے تمام افعال جن کا حکم اسلام میں دیا گیا ہے اگر خدا کے لئے کئے جائیں تو وہ نیک اور قابل اجر ہیں، ورنہ بے فائدہ اور بے نتیجہ اور جن سے اسلام نے منع کیا ہے، اگر ان سے اجتناب خدا کی خوشنودی کی خاطر کیا جائے تو مفید ہے ورنہ قطعاً لاجائز۔ یہ زبردست مرکزیت اور یکوئی جو اسلام کے نظام میں نظر آتی ہے اسی نصب العین کی پیدا کردہ ہے۔ یہی قوت جاذبہ ہے جس نے نظام اسلامی کے تمام اجزاء میں ایک طاقت و رائل مرکز میلان پیدا کر دیا ہے۔ اور جس کی بدولت یہ نظام ویسا ہی ایک مکمل اور مضبوط نظام بن گیا ہے جیسا موجودہ زمانے کے علم ہیئت کی رو سے ہمارا نظام شمسی مکمل اور مضبوط ہے اگر یہ نصب العین نہ ہوتا تو دین اسلام میں نظم و ضبط نہ ہوتا۔

**۳۔ فکر و عمل کی یکوئی** جس طرح اس نصب العین نے اسلام کے نظام دینی میں مرکزیت، یکوئی اور ضبط و نظم کی قوت پیدا کی ہے۔ اسی طرح یہ انسان کے افکار و خیالات، ارادات و تیات، اور عقائد و اعمال میں بھی کابل یکوئی پیدا کر دیتا ہے، اور یکوئی کے ساتھ اس کو ایک ایسے بلند سطح نظر اور ایک

ایسے اعلیٰ و ارفع مقصد کی طرف ہمہ تن متوجہ کر دیتا ہے جس سے زیادہ بلند اور عالی شان اور رفیع المنزلت کوئی مقصد اور مطمح نظر نہیں ہو سکتا جس شخص کے پیش نظر محض اپنی طبعی خواہشات کی تسکین، یا نفسانی اغراض کی تحصیل، یا روحانی مقاصد کی تکمیل ہو، اسے کبھی فکر و عمل کی یکسوئی میسر نہیں آ سکتی۔ کیونکہ عقلی و ذہنی ارتقاء اور فطری و عملی اکتشاف کے ہر مرحلے میں اس کے اندر نئی خواہشیں اور نئی رغبتیں پیدا ہوں گی اور وہ نئی نئی چیزوں کو اپنی غایت اور اپنا مقصد قرار دے گا۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ علم اور عقل کے کسی اونچے مرحلے پہنچ کر انسان انہی طبعی رغبات اور نفسانی و روحانی طلبات پر جا رہے جو اس سے پہلے کے پست تر مرحلے میں اس کے لئے جاذب نظر اور محرک عمل تھے، اس طرح انسان کی تمام زندگی ایک مقصد سے دوسرے مقصد کی طرف انتقال میں بسر ہو جائے گی۔ اور کبھی کوئی ایسا مرکزی تغلُّب اس کے ذہن میں جاگزیں نہ ہو سکے گا۔ جو اس کے افکار میں کامل یکسوئی پیدا کر دینے والا ہو، اور جس کی راہ میں وہ اپنی تمام فکری اور عقلی قوتیں صرف کر سکتا ہو۔ یہ خوبی صرف اسلامی نصب العین ہی میں ہے کہ وہ ہر مرتبہ عقلی و عقلی میں انسان کا واحد نصب العین بن سکتا ہے، اور کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ پر بھی پہنچ کر اس کو بدلنے کی ضرورت نہیں پیش آتی، کیونکہ ہم جتنے عقلی اور عقلی مراتب کا تصور کر سکتے ہیں، خدا کی ذات ان سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اور اس کے باوجود ادنیٰ سے ادنیٰ مرتبہ سے لے کر بلند سے بلند مرتبہ تک ہر ایک کے ساتھ اس کا تعلق یکساں ہے اگر فرق ہے تو وہ محض ہمارے تعقل و شعور کے مراتب کے لحاظ سے ہے۔

## ۴۔ خالص بشری اجتماعیت کی تیز زندگی | پھر جس طرح یہ نصب العین ایک فرد کا نصب العین

بن جاتا ہے، اُسی طرح ایک جماعت، ایک قوم، بلکہ تمام نوع بشری کا نصب العین بھی بن جاتا ہے اس میں سرے سے نفسانیت اور انفرادی یا اجتماعی خود غرضی کا وہ عنصری موجود نہیں ہے جس کی طبعی خاصیت یہ ہے کہ انسانیت کو نسلوں اور قوموں میں اور پھر افراد و اشخاص میں تقسیم کر دے اور ان کے

اندر ایک دوسرے کے خلاف مقابلہ و مزاحمت اور بعض وجہ کے جذبات ابھارتا ہے۔ برعکس اس کے یقیناً انسان کو اس ہستی کی طرف متوجہ کر دیتا ہے جس کے ساتھ تمام نوع بشری، بلکہ تمام کائنات کا تعلق یکساں ہے اور جس کی طرف متوجہ ہو جانے کے بعد ہر جہت اور ہر حیثیت سے انسانی مقاصد میں ایسا اشتراک و اتحاد پیدا ہو جاتا ہے کہ لوگوں میں مقابلہ و مزاحمت تو دور کنارا، تعاون اور موالات، اخوت اور بھائی چارے کی روح پیدا ہو جاتی ہے۔ دنیا کے جتنے مادی مقاصد ہیں ان کی راہ میں دو آدمی بھی ایک دوسرے کے بچے مددگار نہیں ہو سکتے، بھائی اور بھائی، باپ اور بیٹے، مال اور بیٹی کے لئے بھی ایک مادی مقصد میں مشترک ہو کر تزامم اور کشمکش، حتیٰ کہ عداوت اور دشمنی تک سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم نے خود رحم اور خون کے تعلقات منقطع ہوتے دیکھے ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے بھائیوں نے بھائیوں کے گلے کاٹ دیے ہیں۔ ہماری نگاہوں سے ایسے بے شمار مناظر گزرے ہیں اور گزرتے رہتے ہیں کہ قریب سے قریب عزیزوں نے دنیوی مقاصد کی خاطر ایک دوسرے کی جان، مال عزت اور آبرو کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ سب اس نفسانیت اور خود غرضی کی تاثیرات ہیں جو دنیوی اغراض و مقاصد کے عناصر ترکیبی میں سب سے اہم عنصر ہے لیکن ذات حق وہ غایت الغایات ہے جس کی جانب لاکھوں کروڑوں انسان بیک وقت دوڑ سکتے ہیں بغیر اس کے کہ ان میں کوئی کشمکش، مقابلہ اور مزاحمت ہو، اور کسی ایک شخص کو بھی دوسرے شخص کی ٹھوکر لگے۔ برعکس اس کے یہ سفر ایسا سفر ہے جس کا ہر مسافر دوسرے مسافر کی غلصانہ مدد کرتا ہے، اپنے آرام پر دوسرے کے آرام کو ترجیح دیتا ہے، اپنی شقت کو دوسرے کی شقت کے مقابلہ میں گوارا کر لیتا ہے، اور عیش و آرام کے ساتھ جانے سے بد جہاں تر اس کو سمجھتا ہے کہ اپنے دوسرے ساتھیوں کا بوجھ ڈھو کر، دوسروں کی خدمت کر کے، ہانپتا کا پتا، تھکا ماندا، عرق عرق، منزل مقصود پر پہنچے، اور اپنے مالک کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی حاصل کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ نسل، رنگ، زبان، اور جغرافیائی حدود کے امتیازات کو مٹا کر ایک عالمگیر

قومیت کی تعمیر اور ایک بین الاقوامی انسانی جمعیت کی شیرازہ بندی کے لئے جس مرکزی تخیل کی ضرورت ہے وہ اس نصب العین میں بدرجہ اتم موجود ہے اس قسم کی جہانگیر تہذیب کے لئے اس سے بہتر نصب العین اور کئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ایک طرف فرد کی انفرادیت کو بالکل فنا بھی نہیں کرتا۔ اور دوسری طرف انفرادیت کے تمام دافع مرکز میلانات کو مٹا کر اسے ایک خالص بشری اجتماعیت میں پوری طرح ضم کر دیتا ہے۔

**۵۔ تمام انسانی مرقدا کا بالتبع حصول** | اس نصب العین کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دنیا میں انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے انسان کے جتنے مقاصد ہو سکتے ہیں وہ سب اس کے تحقق کے ساتھ بالتبع حاصل ہوتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ انسان ان کو بالذات مقصود بنائے۔ قرآن مجید نے ایک ایک کو کے ان چیزوں کو گنا یا ہے جو رضائے الہی کے حصول کے ساتھ لازماً حاصل ہوتی ہیں۔

دنوی زندگی میں انسان سب سے زیادہ جس چیز کا خواہشمند ہوتا ہے وہ امن و سکون، راحت اور اطمینان قلب ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ خدا کی طرف رجوع کرو، اور اس کی خوشنودی کے طالب ہو جاؤ۔ یہ چیز تم کو آپ سے آپ مل جائے گی۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ  
فَلَهُ اَجْرٌ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ  
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۲: ۱۳)

ہاں جس کسی نے اللہ کے آگے تسلیم خم کر دیا اور وہ نیکو کار ہوا، تو اس کا اجر اس کے پروردگار کے پاس ہے، ایسے لوگوں کے لئے کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ قُطْمَيْنَ الْقُلُوبِ (۱۲: ۱۳) آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

دوسری چیز جو انسان دنیا میں حاصل کرنا چاہتا ہے، خوشحالی ہے، یعنی ایسی زندگی جو پریشانی اور پرانگندہ خاطری سے خالی ہو۔ قرآن کہتا ہے کہ خدا پر ایمان لانے اور اس کے غضب سے بچنے، اور اس کی خاطر برہیزگاری و نیکو کاری اختیار کرنے سے یہ چیز بھی باحسن وجہ حاصل ہو جاتی ہے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا  
لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ  
اگر ان بتیوں کے لوگ ایمان لاتے اور پرہیزگاری  
اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں  
کے دروازے کھول دیتے۔ (۱۲: ۷)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَهُوَ  
مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوَةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ  
جَزَاءَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ  
جس کسی نے نیک عمل کیا اس حال میں کہ وہ موہن  
ہو تو خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ہم اس کو ضرور خوشحالی  
کی زندگی بسر کرائیں گے اور یقیناً ایسے لوگوں کو ہم  
ان کے عمل سے بہت زیادہ اچھا بدلہ دیں گے۔ (۱۳: ۱۶)

تیسری چیز حکومت و فرمانروائی اور غلبہ و سرلمبندی ہے جو انسان کی بڑی مطلوب و مرغوب  
چیز ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تم خدا کے ہوجاؤ۔ یہ متاع خود تمہارے قدموں میں آرہے گی۔

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
كَانَ جُزْبُ اللَّهِ هُمْ الْغَالِبُونَ  
جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمان لانے والوں  
کا دوست ہو گیا (وہ اللہ کی پارٹی میں شامل ہو گیا)  
اور اللہ کی پارٹی ہی غالب ہونے والی ہے۔ (۸: ۵)

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِّنْ بَعْدِ الذِّكْرِ  
أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ  
اور ہم زبور میں پسند و نصحت کے بعد یہ بات  
لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے صالح  
نبدے ہوں گے۔ (۱۷: ۲۱)

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا  
الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ  
لَمَّا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ، وَ  
لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ  
تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل  
کئے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ضرور ان کو زمین  
خلافت عطا کرے گا۔ جس طرح اس نے ان سے پہلے گذر  
ہوئے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔ اور وہ ضرور ان کے



وَلْيَبْذُلْنَهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔ اس دین کو استحکام بخشیکا۔ جس کو اس نے ان

کے لئے پسند کیا ہے، اور خوف کے بدلے ان کو امن عطا کیا۔ (۷۰:۲۴)

اسی طرح اخروی زندگی میں نجات انسان کی مطلوب ہے اور اس کے متعلق بھی قرآن کہتا ہے کہ وہ صرف خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی کے حاصل ہونے کا نتیجہ ہے :-

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (۸۹) اے نفس مطمئن اپنے پروردگار کی طرف واپس ہو۔ اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی پھر (خدا کہے گا کہ) تو میرے بندوں میں شامل اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں نے جتنی چیزوں کو مقصود اور غایت قرار دیا ہے، اسلام نے ان کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔ بلکہ اس چیز کو اپنا مطمح نظر بنایا ہے جس کے حصول سے یہ سب چیزیں خود بخود حاصل ہو جاتی ہیں۔ دوسرے جن چیزوں کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہیں مسلمان کی نگاہ میں وہ اس قابل ہی نہیں کہ وہ ان کی طلب میں اپنے قلب کو ایک لمحہ کے لئے بھی الجھنے دے اس کے پیش نظر تو ایک ایسا نصب العین ہے جو ان سب سے، اور جہاں ہستی کی ہر چیز سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور وہ جانتا ہے کہ جب اس بلند ترین مقصود کو وہ پہنچ جائے گا تو اس کے تحت جتنی چیزیں ہیں وہ اس کو آپسے آپ حاصل ہونگی۔ بالکل اسی طرح جس عمارت کی سب سے اونچی منزل پڑھنچ جانے والا بیچ کی تمام منازل کو اپنے قدموں کے نیچے پاتا ہے۔

۱۔ تقویٰ اور نیکو کاری | ایک اور خصوصیت اس نصب العین کی یہ ہے کہ اسلام نے پرہیزگاری اور نیکو کاری کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا ہے، اور اس کے لئے اوامر و نواہی کا جو ضابطہ پیش کیا ہے، اس کے اتباع پر انسان کو آمادہ کرنے کے لئے صرف یہی نصب العین ایک شریف

اور پاکیزہ نصب العین ہوتا ہے۔

دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ نیکی اس لئے ہونی چاہئے کہ وہ نیکی ہے۔ اور بدی اس لئے اجتناب ہونا چاہئے کہ وہ بدی ہے لیکن جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ان کے اس قول کا مفہوم کیا ہے نیکی محض نیکی کی خاطر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہر قسم کے فوائد و منافع سے قطع نظر کر کے نیکی بچائے خود نیکی ہے اور وہ انسان کی مقصود بن سکتی ہے۔ اور اسی طرح بدی سے محض اس کے بدی ہونے کی بنا پر اجتناب کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ تمام مضر قوتوں اور نقصانات سے مجرّد کر کے بدی اپنی ذات سے بدی ہے، اور اس کی ذات میں کوئی ایسی چیز ہے جو انسان کے لئے قابل اجتناب ہو سکتی ہے۔ مگر حقیقتاً دنیا میں انسان کے لئے کسی ایسی خالص نیکی کا وجود ہی نہیں ہے جو ذات فاعل کی طرف عائد ہونے والے تمام فوائد و منافع سے مجرّد ہو۔ اور نہ کسی ایسی خالص بدی کا وجود ہے جو فاعل کی ذات کو پہنچنے والی جملہ مضر قوتوں سے خالی ہو۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ انسان کے ذہن میں نیکی اور بدی کا تخیل ہی فائدے اور نقصان، منفعت اور مضرت کے تجربات سے پیدا ہوا ہے۔ انسان ہر اس فعل کو نیک کہتا ہے جس سے خود اس کو کوئی حقیقی فائدہ حاصل ہو اگرچہ وہ لبظاً ہر اپنے اندر کچھ مضرتیں بھی رکھتا ہو۔ اسی طرح انسان ہر اس فعل کو بد کہتا ہے جس سے خود اس کی ذات کو کوئی حقیقی مضرت پہنچتی ہو، خواہ وہ ظاہر نظر میں اپنے اندر کچھ منفعتیں بھی رکھتا ہو۔ اگر کسی فعل کو فائدے اور نقصان کے جملہ پہلوؤں سے مجرّد کر لیا جائے۔ اور وہ فعل محض ایک حرکت رہ جائے تو ہم اس پر نیک یا بد ہونے کا کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ نیکی کا ملکہ راسخ ہو جائے اور بلند عقلی مراتب پر پہنچ جانے کے بعد یہ ممکن ہے کہ انسان فائدے اور نقصان کے تصور سے خالی الذہن ہو کر نیکی محض نیکی کی خاطر کرنے لگے، اور بدی سے محض اس کے بدی ہونے کی بنا پر مجتنب رہے لیکن اول تو یہ فقط مبادی و خیر و شر کی طرف سے ذہول ہے نہ کہ اس کی مبدائیت کا سلب، دوسرے یہ محض فاسیو تخیل کی معراج ہے جس تک پہنچا بڑے بڑے حکما کو بھی نصیب نہیں ہوا ہے پھر مصلحتاً نام انسان مجرّد نیکی

کے اختیار اور مجردی سے اجتناب کو اپنا نصب العین کیونکر بنا سکتے ہیں؟

اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ سخی اور بدی کے تصور کو فائدے اور نقصان کے تصور سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ نیکی فی نفسہ انسان کی مراد نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی تہ میں کوئی فائدہ مضمر نہ ہو، اور بدی بڑا خود قابل اعراض قرار نہیں پاسکتی تاوقتیکہ اس کے باطن میں کوئی نقصان پوشیدہ نہ ہو۔ اب اگر ہم تقویٰ اور نیکوکاری کو خود غرضی کے ادنیٰ مرتبے سے اٹھا کر بے نفسی اور خلوص کے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچانا اور اسے ایک ایسے ضابطہ اخلاق کی بنیاد قرار دینا چاہیں جو عوام و خواص سب کے لئے ہو تو اس کی بہترین صورت یہی ہے کہ فائدے اور نقصان کا ایک ایسا معیار قائم کیا جائے جو مادیت اور نفسانیت سے بالاتر ہو اور جس کی بنیاد پر تمام مادی اور نفسانی نقصانات سے لبریز ہونے کے باوجود ایک نیک عمل، انسان کی نگاہ میں سراسر فائدوں سے ملو نظر آئے، اور ہر قسم کی منفعتوں سے پرہیز کرنے کے باوجود ایک بد عمل اس کو سرتاپا نقصان محسوس ہو یہی طریقہ اسلام نے اختیار کیا ہے۔ اس نے رضائے الہی کے حصول و عدم حصول کو فائدے اور نقصان کا معیار قرار دیا ہے۔ جو مادی اور نفسانی آلائشوں سے بالکل پاک ہے۔ اور اس معیار کے مطابق ایک نیکوکار انسان اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان، مال، اولاد، نیک نامی، شہرت، ہر چیز کو قربان کر کے بھی یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ فائدہ میں ہے۔ اور ایک بدکار انسان خدا کا غضب مول لینے کے بعد دنیا کے تمام مادی اور نفسانی فوائد حاصل کر کے بھی یہ خوف رکھتا ہے کہ وہ نقصان میں ہے۔ یہی چیز ہے جو انسان کو تمام دنیوی فائدوں اور نقصانوں سے بے نیاز کر کے خلوص نیت کے ساتھ تقویٰ اور نیکوکاری اختیار کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔